QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com
الأمير

رہبانیت پر صوفیاء کی آراء اور ناقدینِ تصوف کے نقد کا جائزہ

Revisiting Sufi and Their Critics Perspectives on Monasticism: An Analytical Review

Dr. Muhammad Akram
Assistant Professor, Govt. College of Technology Pindi Bhattian Hafizabad. Email: akramfqchfd@gmail.com
Muhammad Saad
M. Phil Scholar, Dept. of Islamic Studies, Lahore Leads University, Lahore. Email: Saadrasheed101@gmail.com

This paper conducts a thorough review of the opinions of Sufi scholars and their critics regarding the concept of monasticism within Sufism. It delves into the historical context and philosophical underpinnings of Sufi ascetic practices, exploring the varying interpretations and applications of monastic ideals within the Sufi tradition. Additionally, the paper examines critiques leveled against Sufi monasticism by detractors, analyzing their arguments and assessing their validity in light of Sufi teachings and historical practices.

Sufism, a mystical branch of Islam, has often been misunderstood and criticized, particularly in relation to its similarities and differences with monastic traditions. By examining primary Sufi texts, historical accounts, and scholarly analyses, this review elucidates the nuanced views of Sufi masters on asceticism, solitude, and spiritual practice. Furthermore, it critically evaluates common criticisms of Sufism, such as accusations of heresy, idolatry, and deviation from orthodox Islam. Through this exploration, the paper aims to foster a deeper understanding of Sufism and its rich spiritual heritage while addressing misconceptions and misrepresentations perpetuated by its critics.

Keywords: Sufism, monasticism, solitude, spiritual, misconceptions, criticisms.

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Journament
Academic Resource Index ResearchBib
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تعارف:

ناقدین تصوف کے افکار میں صوفیا کی تعلیمات ترک دنیا اور رہبانیت کا درس دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں صوفیا نے دنیا سے الگ جنگلوں و بیابانوں میں زندگیاں صرف کر کے رہبانیت کا راستہ اختیار کیا۔ جو کہ قرآن و سنت کے متوازی طریق ہے۔ ناقدین کے اعتراضات نقل کیے جاتے ہیں۔(۱) رہبانیت غیر شرعی عمل ہے۔(۲) انفاق زائد از ضرورت غیر شرعی ہے۔(۳) تصور ترک دنیا متوازی دین ہے۔ ناقدین تصوف نے صوفیا کی رسومات کو رہبانیت قرار دیا ہے اور انفاق زائد از ضرورت کو غیر شرعی فعل قرار دیا ہے اور تصور ترق دنیا کو متوازی دین قرار دیا ہے۔ اس بات کی تحقیق کی جائے گی۔ کیا مذکورہ امور قرآن و سنت کے منافی ہیں یا قرآن و سنت میں ان کی گنجائش ہے۔ مذکورہ بالا اعتراضات کو بالترتیب ذکر کر کے قرآن و سنت کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ تا کہ رہبانیت اور اس سے متعلق امور کی شرعی حیثیت عیاں ہو۔

رہبانیت پر ناقدین تصوف کے نقد کا جائزہ:

پرویز کے نزدیک تصوف رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ صوفیا ترک دنیا اور ترک علائق کا درس دیتے تھے۔ ان کے خیال میں صوفیا نے رہبانیت کا مسلک یہود و نصاری سے اخذ کیا ہے۔ اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت میں اسی تصور کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"ترک دنیا اور ترق علائق کے عقیدہ اور مسلک کے متعلق قرآن کا کیا فیصلہ ہے۔ یہودی اور عیسائی تصوف میں اس مسلک کو رہبانیت کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق فرمایا کہ۔ "وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا "[1] رہبانیت کا مسلک ہم نے ان پر واجب قرار نہیں دیا تھا انہوں نے اسے از خود ایجاد کر لیا اور یہ کہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیا کہ اس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ ایجاد کرنے کو تو کر لیا لیکن اسے پھر نباہ نہ سکے۔ یہ ایسا تھا ہی نہیں جو نبھ سکتا۔ خانقاہیت کا یہ مسلک یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کس قدر عام ہو چکا تھا"۔[2]

رہبانیت کے متعلق سید مودودی تفہیم القرآن میں یوں لکھتے ہیں۔

"متصوفین کی طرح رہبانیت اور قطع لذات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دنیاوی لذتوں سے محروم کرنا اور دنیا کے سامان زیست سے تعلق توڑنا۔ بجائے خود ایک نیکی ہے اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا"۔[3]

امین احسن اصلاحی "تدبر قرآن" رہبانیت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] Al-ḥadīd: 27/57

[2] Ghulam Ahmad parwayz, Taṣawuf ki ḥaqīqat (Lahōr: ṭalō‘ islam trust,2009), 69-70

[3] Abū al-a‘lā modōdī, tafhīm al-qurān (Lahōr: idara tarjumān al-qurān, 1998), 18/1

"اس واقعہ سے بعض صوفی حضرات نے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کی زندگی کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے ان لوگوں نے اس غار میں پناہ اس وقت لی ہے جب وہ اپنے ماحول کی اصلاح کے لیے جان کی بازی کھیل کر اپنی قوم کے ہاتھوں سنگسار کو دیے جانے کے مراحلہ تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مرحلہ بعینہ وہی ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ اور آپ کو غار ثور میں پناہ لینی پڑی۔ ان لوگوں نے یہ غار نشینی رہبانیت کے لیے نہیں اختیار کی تھی بل کہ اعلائے حق کے شر سے اپنی جانیں بچانے کے لیے اختیار کی تھی"۔[4]

سورہ الحدید کی رہبانیت سے متعلق آیت کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

"یہ رہبانیت جو انہوں نے اپنے اوپر لادلی یہ ہماری فرض کردہ نہیں ہے بل کہ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ ہے ہم نے ان پر جو چیز فرض کی تھی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کی جدوجہد تھی۔ اگرچہ رھبانت اسی حد تک ہوتی تو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث خیر وبرکت ہوتی۔ لیکن انہوں نے اس کے حدود ملحوظ نہیں رکھے"۔[5]

جاوید احمد غامدی سورہ الحدید سے رہبانیت سے متعلق آیت کے بارے لکھتے ہیں۔

"رہبانیت کی تعلیم انھوں نے نہیں دی کہ اسے جہاد کے خلاف اعتراضات کی بنیاد بنایا جاسکے۔ یہ ان کے پیروں کی ایجاد تھی۔ اس کا محرک ایک تو رافت ورحمت کا وہ جذبہ تھا جو دعوت کی جدوجہد کے لیے خود اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں رکھ دیا تھا۔ دوسرا رضائے الٰہی کی طلب جس کے حدود وہ بدقسمتی سے ملحوظ نہیں رکھ سکے تاہم اللہ کسی ایسے کام کا اجر ضائع نہیں کرتا جو اس کی خوشنودی کے لیے کیا جائے۔ اس لیے ان میں سے جو ایمان پر قائم رہے ان کا اجر نھیں مل جائے گا"۔[6]

ڈاکٹر اسرار احمد سورہ الحدید کی آیت رہبانیت کے متعلق بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

"اہل ایمان کے دلوں میں اللہ کی محبت، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب کے جذبے کا نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیے کہ وہ اللہ کی فوج کے سپاہی بن کر اقامت دین کی جدوجہد کے علمبردار بن جائیں اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر ہر زماں، ہر مکاں شیطانی قوتوں کے خلاف برسرپیکار رہیں۔ لیکن شیطان نے ایسے لوگوں کو رہبانیت کا درس پڑھا دیا کہ اللہ والوں کا دنیا کے جھمیلوں سے کیا واسطہ؟ انہیں تو چاہیے کہ وہ دنیا اور علائق دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ہاں اپنے درجات بلند کریں۔ ظاہر ہے ایسی رہبانیت دین کی اصل روح کے خلاف ہے"۔[7]

سید مودودی رہبانیت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ متصوفین کی طرح رہبانیت کو اختیار نہ کرو۔ امین احسن اصلاحی کے نزدیک اصحاب کہف کی اتباع کرنے والوں نے حدود کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک رہبانیت دین کی روح کے

[4] Amīn Aḥsan iṣlāḥī, tadabur qurān (Lahōr: Farān foundation,2009), 570/4
[5] Amīn Aḥsan iṣlāḥī, tadabur qurān, 233
[6] Javaid ahmad ghamdī, al-maurad (Lahōr, 2014), 140/4
[7] Isrār ahmad, bayān al-qurān (Lahōr: Qurān academy, 2016), 154/7

خلاف ہے۔ صوفیاترک لذات کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رہبانیت کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ کہ تصور رہبانیت کے بارے قرآن و سنت کے احکامات کیا ہیں۔ رہبانیت کا لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ اور تصور رہبانیت کے بارے مفسرین امت کی آرا کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ بعد ازاں رہبانیت کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔

مسئلہ تحقیق رہبانیت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

رہبانیت کے لغوی معنی:

علامہ راغب اصفہانی "رہبانیت کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رھب" کا معنی ہے ڈرنا اور خوف اور "ترھب" کا معنی ہے عبادت کرنا اور "رہبانیت" کا معنی ہے عبادت کے افعال برداشت کرنے میں غلو اور زیادتی کرنا" رھبان" کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے"۔[8]

ابن منظور نے رہبانیت کی لغوی تشریح یوں بیان کی ہے۔

" قرآن مجید میں ہے رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا ابو اسحاق نے کہا اس کے دو معنی ہیں۔ 1۔ رہبانیت کو انہوں نے ایجا کر لیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا اور اس کا معنی ہے ہم نے صرف اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس کو ان پر فرض کیا تھا اور اللہ کی رضا کو طلب کرنا اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ 2- تفسیر میں آیا ہے کہ ان کے بادشاہ ان کو ایسے کاموں کا حکم دیتے جن پر وہ صبر نہیں کر سکتے تھے۔ پھر انہوں نے سر نگیں اور گرجے بنالئے اور انہوں نے نفلی طور پر ترک دنیا کو لازم کر لیا۔ پھر ان پر اس کو پورا کرنا لازم ہو گیا۔ جیسے کوئی اپنے اوپر نفلی روزہ کی نذر مان لے جو اس پر فرض نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے"۔[9]

سورہ الحدید کی آیت نمبر 26 کا مفسرین امت کی آراء کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

رہبانیت کے بارے مفسرینِ امت کی آراء کا جائزہ:

"وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"۔[10]

"اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا۔ ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی۔ جو رعایت کا حق تھا"۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں۔

---

[8] Raghib aṣfahanī, al-mufridāt (Makkah mukarmah: maktabah nazār musṭufā, 1417 A.H), 269/1

[9] Muhammad bin mukaram Ibn-e-manzōr , lisān al-a'rab (Beirūt: maktabah dar ṣādir, 2002), 240

[10] Al-ḥadīd: 27/57

"یہ آیت اس پر ملامت کرتی ہے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور جو شخص کسی بدعت حسنہ کو نکالے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ہمیشہ برقرار رہے اور اس بدعت کی ضد کی طرف عدول نہ کرے ورنہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت ابوامامہ باہلی بیان کرتے ہیں کہ تم نے تراویح کی بدعت نکالی ہے تم پر تراویک فرض نہیں کی گئی تھی۔ تم پر صرف روزے فرض کیے گئے تھے۔ اب جب کہ تم نے یہ بدعت اختیار کرلی ہے تو اس پر دوام کرو۔ اور اس کو ترک نہ کرو۔ کیوں کہ نبی اسرائیل نے کئی بدعتیں نکالی تھیں۔ پھر انہوں نے ان بدعتوں کی اس طرح رعایت نہیں کی جس طرح ان کی رعایت کرنے کا حق تھا تو اللہ تعالی نے ان بدعات کے ترک کرنے پر ان کی مذمت کی اور فرمایا رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہیں کی جو رعایت کا حق تھا"۔[11]

امام فخر الدین رازی آیت رہبانیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔

"رہبانیت سے مراد یہ ہے کہ وہ دین میں فتنوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے لگے۔ اور انہوں نے زیادہ مشقت والی عبادتیں اختیار کیں۔ جو ان پر واجب ہو گئیں وہ تنہائی میں رہتے تھے۔ عورتوں سے دور رہتے تھے۔ اور ماسوا اللہ کی رضا کی طلب کئے کے بارے لکھتے ہیں۔ اس استثناء میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اس بدعت کو اختیار کیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ استثناء متصل ہے اور اس کا معنی ہے۔ ہم نے رہبانیت کے ساتھ اور کسی وجہ سے عبادت نہیں کی۔ صرف اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے رہبانیت کے ساتھ عبادت کی ہے"۔[12]

علامہ ابن جوزی حنبلی آیت رہبانیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب یہ لوگ نفلی طور پر رہبانیت میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے۔ حسن بصری نے کہا۔ انہوں نے نفلی طور پر اس بدعت کو اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالی نے ان پر اس بدعت رہبانیت کو فرض کر دیا۔ الزجاج نے کہا۔ جب انہوں نے اس کو نفلا اپنے اوپر لازم کیا تو اللہ تعالی نے اس کو پورا کرنا ان پر لازم کر دیا۔ جیسے کوئی شخص نفلی روزہ رکھ لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس روزے کو پورا کرے"۔[13]

آیت رھبانیت کی تفسیر علامہ سمرقندی لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں دلیل ہے اور مومنوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسے کام کو واجب کر لیا جو اس پر پہلے واجب نہیں تھا۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کرے اور اس کو ترک نہ کرے۔ ورنہ فاسق کہلائے گا۔ اور بعض صحابہ نے یہ کہا

[11] Muhammad bin ahmad qurṭabī, al-jāma'y al-aḥkām al-qurān (Beirūt: maktabah dar al-fikar, 1415), 238/17

[12] Muhammad bin u'mar razī, tafsīr kabīr (Beirūt: Dar aḥyā' al-turāth al-a'rabī, 1415 A.H), 473-474/10

[13] Abdul reḥmān ibn al-jūzī, zad al-masīr (Beirūt: maktab islamī, 1407 A.H), 176/8

کہ تم پر تراویح کو پورا کرنا لازم ہے کیوں کہ یہ پہلے تم پر واجب نہیں تھی۔ تم نے خود اس کو اپنے اوپر واجب کیا ہے اگر تم نے اس کو ترک کیا تو تم فاسق ہو جاؤ گے۔ پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔"[14]

آیت رہبانیت کی تفسیر کرتے ہوئے سید محمود آلوسی لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ مطلقا بدعت مذموم ہے۔ بل کہ مذمت اس بات کی فرمائی ہے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے ایک بدعت کو اختیار کیا اور پھر اس کی رعایت نہیں کی"۔ [15]

آیت رہبانیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تیسرا فرقہ جس کو بادشاہوں سے قتال کرنے کی قوت تھی نہ ان کے سامنے تبلیغ کرنے کی طاقت تھی۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور رہبانیت اختیار کی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ انہوں نے یہ رہبانیت صرف اللہ کی رضا کے لیے اختیار کی تھی۔ ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ پھر انہوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا ان راھبوں کے بعد کے لوگوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہیں کی تھی۔ پس ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے اُن کو ان کا اجر عطا کیا۔ اور ان میں سے اکثر فاسق تھے "۔[16]

آیت کے آخر میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"پھر انہوں نے اس (رہبانیت) کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کرنے کا حق تھا۔ پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں"۔[17]

آیت مذکورہ کے آخری حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

"آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رہبانیت کی بدعت نکالنے والوں میں سے بعض وہ بھی تھے جنہوں نے رہبانیت کی کماحقہ رعایت کی تھی اور اگر ان میں سے ایسے لوگ نہ ہوتے تو وہ اس اجر کے مستحق نہ ہوتے۔ جس کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے اور جن لوگوں نے رہبانیت کی کماحقہ رعایت نہیں کی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے بعد کے لوگوں میں سے ہوں"۔[18]

آیت رہبانیت کے آخری حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔

"یہ ہی لوگ تھے جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور انہوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہیں کی اور اس کے ساتھ انہوں نے تثلیث اور اتحاد کو ملا دیا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت عیسی کے دین پر قائم رہے حتی کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

[14] Naṣar bin Muhammad samar qandī, beḥar al-u'lōm (Beirūt: dar al-kutab al-i'lmiyah, 1413 A.H), 33/3
[15] Meḥmōd ālōsī, rōḥ al-ma'nī (Beirūt: dar al-fikar,1417 A.H), 294/24
[16] Ismail bin u'mar ibn-e- kathīr, tafṣīr qurān al-a'zīm (Beirūt: maṭbū'ah idārah undalas, 1385 A.H), 347/4
[17] Al-ḥadīd: 57/27
[18] Muhammad bin jarīr ṭibrī, Jamey al-bayān (Beirūt: dar al-fikar,1415 A.H), 312/27

زمانہ پالیا۔ پھر وہ آپ پر ایمان لے آئے اور ان ہی کے متعلق اللہ تعالی نے اس آیت میں فرمایا ہے پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا۔"[19]

آیت رہبانیت کے آخری حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ البغوی لکھتے ہیں۔

"یعنی ان صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی پھر بعد میں آنے والے لوگوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہیں کی اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا کے لیے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی ان کے متعلق فرمایا۔ پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور انہوں نے رہبانیت کی کماحقہ رعایت نہیں کی۔ ان کے متعلق فرمایا اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں"۔[20]

آیت رہبانیت کے آخری حصے کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

"اس آیت کی یہ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے کہ کماحقہ رہبانیت کی رعایت کرنے والے وہ ہیں۔ جو رہبانیت کے منسوخ ہونے سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے اور رہبانیت کی کماحقہ رعایت نہ کرنے والے وہ ہیں۔ جنہوں نے اس میں تثلیث، اللہ اور حضرت عیسی کے اتحاد کے قول اور یار کاری کو ملا دیا تھا۔ نیز یہ تفسیر حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے بھی خلاف ہے۔ جس کو امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے"۔[21]

اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی نے رہبانیت کی بدعت نکالنے کی مذمت نہیں کی بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی مذمت کی ہے۔ اس مفہوم کو مفتی محمد شفیع نے "معارف القرآن" میں بیان کیا ہے۔

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں اصل رہبانیت اختیار کرنے والے جنہوں نے رہبانیت کے الوازم کی رعایت کی اور مصائب پر صبر کیا وہ بھی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ آیت مذکورہ کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح کی رہبانیت ابتداء اختیار کرنے والوں نے اختیار کی تھی وہ اپنی ذات میں مذموم اور بُری چیز نہ تھی۔ البتہ وہ کوئی حکم شرعی بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں نے اپنی مرضی وخوشی سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ برائی اور مذمت کا پہلو یہاں سے شروع ہوا"۔[22]

لغت اور تفسیر کی عبارتوں سے بات یہ محقق ہوئی کہ جن اللہ کے نیک بندوں نے رہبانیت کی بدعت کو ایجاد کیا انہوں نے اس کا حق ادا کیا۔ اور ان لوگوں کی اللہ نے تعریف کی۔ اور ان کو اجر عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر بعد کے لوگوں نے اس رہبانیت میں بگاڑ پیدا کر دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی زندگی تک اس میں خرافات پیدا ہو چکے تھے۔ تو ایسی رہبانیت کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت کی۔

[19] Muhammad bin u'mar razī, tafsīr kabīr, 474/10

[20] Al-hussain bin mas'ōd al-baghwī, mua'lim al-tanzīl (Beirūt: Dar aḥyā' al-turāth al-a'rabī, 1420 A.H), 35/5

[21] Meḥmōd ālōsī, rōḥ al-ma'nī, 294/27

[22] Muftī Muhammad sahfi', mua'rif al-qurān (Karachī: maktabah idārah al-m 'ārif, 1414 A.H), 328/8

تجزیہ:

صحیح بات یہ ہے کہ جن صالحین نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی انہوں نے اس کی کماحقہ رعایت کی اور ان ہی کی اللہ تعالی نے تحسین فرمائی۔ اور ان کو اجر عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر بعد کے زمانہ میں رہبانیت میں بگاڑ شروع ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس میں کافی بگاڑ ہو چکا تھا اور اسی رہبانیت کی آپ نے مذمت فرمائی۔

رہبانیت اور فکرِ صوفیا:

ناقدین کے نقد رھبانیت، ارکان رھبانیت کا تحقیقی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ تعلیمات صوفیار ہبانیت کا درس دیتی ہیں اور شریعت کے متوازی طریق ہے یا شریعت میں صوفیانہ طریق کی گنجائش موجود ہے اور اس بات کی تحقیق کہ صوفیا کا مقصد و مدعا عبادت الہی ہے یا خدمت خلق کو بھی وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔" طبقات صوفیا میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

" آپ ہی فرماتے ہیں (فضیل بن عیاض) ہمارے ہاں کسی کی جان پہچان نہ تو زیادہ روزے رکھنے سے ہوتی ہے اور نہ ہی زیادہ نمازیں پڑھنے سے۔ ہمارے ہاں تو جان کا نذرانہ پیش کرنے، دل کی سلامتی اور امت کی خیر خواہی کرنے سے ہوتی ہے "۔[23]

تحقیق اس بات کی کہ صوفیا رہبانیت کا درس دیتے یا رہبانیت کی نفی کرتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین " عوارف المعارف " میں ترک رہبانیت میں ایک روایت کو درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" ایک عارف نے دنیا سے اس طرح سے کنارہ کشی اختیار کی کہ وہ سب لوگوں کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے اور یہ عہد کر لیا کہ میں کسی شخص سے کوئی شے نہیں مانگوں گا۔ یہ کہ میرا رزق میرے پاس خود آئے گا۔ چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں جا پہنچے۔ وہاں سات دن تک ٹھہرے رہے لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ حتی کہ وہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت انہوں نے دعا مانگی الہی اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو میرے نصیب کا لکھا رزق مجھے عطا کر ورنہ مجھے اپنے پاس اٹھا لے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے انہیں یہ الہام ہوا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، میں تمہیں اس وقت رزق نہیں دوں گا جب تک کہ تم لبستی میں نہ جاؤ اور لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا شروع نہ کر دو۔"[24]

اس عبارت میں ترک رہبانیت کا درس دیا گیا ہے اور ترک دنیا کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ طالبین تصوف کو بستی میں اپنے اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ہے۔ امھات کتب تصوف میں سے کسی کتاب میں ترک دنیا کا درس نہیں دیا گیا۔ البتہ غرق دنیا کی ممانعت کی گئی ہے۔ دنیا سے اعراض برتنے کا معنی دنیا میں کنارہ کشی نہیں بل کہ استغناء ہے کہ دنیا صوفی کے دل میں گھر نہ کر جائے بل کہ دنیا کی محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر غالب نہ آجائے۔

---

[23] Muhammad bin al-ḥussain al-salmī, ṭabqāt al-ṣōfiya, mutarajim: shah muhammad chishtī (Lahōr: idarāh paighām al-qurān, 2011), 30

[24] U'mar shahab al-dīn, a'warif al-mua'rif, mutarajim: abdul al-satār ṭahir (Lahōr: shabīr brothers,2011), 230

انفاق زائد از ضرورت اور فکر احسان الٰہی ظہیر:

ناقدین تصوف کے ہاں صوفیا کی تعلیمات رہبانیت کا درس دیتی ہے۔ان کی دوسری دلیل صوفیا کا نظریہ انفاق زائد از ضرورت ہے۔کہ وہ سب کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کر دینے کو دین سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ رہبانیت کی تعلیم پر مبنی ہے۔احسان الٰہی ظہیر کے نزدیک تصوف اسلام مخالف تعلیمات کا مجموعہ ہے۔اس مذہب میں کل مال کے خرچ کرنے یعنی اتفاق زائد از ضرورت کا درس دیا گیا ہے جو کہ اسلام کے متوازی حکم ہے۔دلیل کے طور پر سید علی ہجویری کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"ہجویری نے ابو بکر شبلی سے نقل کیا ہے کہ اُن سے کسی عالم نے تجربے کے طور پر زکوۃ کے بارے میں پوچھا کہ کون شخص زکوۃ دے۔تو انہوں نے کہا جب بخل موجود ہو اور مال آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ ہر دوسو کے مقابلے میں پانچ درہم دے اور ہر بیس دینار کے مقابلے میں آدھا درھم دے۔یہ تمہارا مذہب ہے لیکن میرا مذہب تو یہ ہے کہ تو کوئی ایسی چیز ہی نہ رکھ جس کی وجہ سے تجھ پر زکوۃ واجب ہو"۔[25]

فکر احسان الٰہی ظہیر میں تصوف رہبانیت کا درس دیتا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ صوفیا ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔یعنی ایسی چیز پاس نہ ہو جس سے زکوۃ فرض ہو جائے۔احسان الٰہی ظہیر کے بیانیے کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں انفاق زائد از ضرورت کا جائزہ:

قرآن کریم کی سورہ حشر میں اللہ تعالی ایثار کے بارے حکم ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُالْمُفْلِحُون"[26]

" اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو۔اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچایا گیا سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے امت مصطفوی کو تعلیم دی کہ صحابہ کرام کی زندگیوں کی اطاعت کرتے ہوئے خواہ تمہیں شدید ضرورت ہو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دو۔علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی ایثار کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کسی دوسرے شخص کو دنیاوی چیزوں میں اپنے اوپر ترجیح دینا۔یہ وصف یقین کی قوت،محبت کی شدت اور مشقت پر صبر کرنے سے پیدا ہوتا ہے"۔[27]

شان نزول:

اس آیت مقدسہ کا شان نزول حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں۔اس کو ابن حبان نقل کرتے ہیں۔

---

[25] Aḥsān ilāhī ẓahīr, taṣawuf tarīkh wa ḥaqai'q (Lahōr: idarah tarjumān al-sunah, 2010), 107
[26] Al-hasar: 59/9
[27] Qurṭabī Muhammad bin ahmad, al-jamey' al-aḥkām al-qurān), 25/18

"حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے پاس رات کو ایک مہمان آیا اس کے پاس صرف اتنا طعام تھا کہ وہ اس کی بیوی بچے کھالیں۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور گھر میں جو کچھ کھانا ہے وہ مہمان کے آگے لا کر رکھ دو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ) "[28]

اس روایت کو امام مسلم، امام ترندی اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

کل مال کا خرچ کرنا صرف اصحاب صبر والوں کے لیے ہے دوسروں کو اس کی اجازت نہیں۔ اس ضمن میں محمد بن عبد اللہ ابن عربی مالکی کی رائے یہ ہے۔

" ایثار یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں میں آخرت کی طرف رغبت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی جائے۔ اور یہ وصف نفس کی قوت، شدت محبت اور مشقت پر صبر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایثار کرنے والوں کے احوال کے اختلاف سے ایثار مختلف ہوتا ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی اللہ نے حضرت ابو بکر سے ان کا سارا مال قبول فرمالیا اور حضرت عمرؓ سے ان کا نصف مال قبول کیا اور حضرت ابولبانہ اور حضرت کعب سے تمام مال قبول کیا کیوں کہ ان کا درجہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے کم تھا۔ اور اس میں کوئی خیر نہیں ہے کہ ایک شخص پہلے صدقہ کرے پھر نادم ہو۔ اور ندامت کی وجہ سے اس کا اجر ضائع ہو جائے "۔[29]

یوں ہی سب مال کے خرچ کر دینے پر علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں۔

" اگر یہ کہا جائے کہ احادیث صحیح میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ انسان اپنا تمام مال صدقہ کر دے اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اس شخص کے لیے منع ہے جو فقر پر صبر نہ کر سکتا ہو اور اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے بعد بھیک مانگنا شروع کر دے گا۔ لیکن جن انصار کے ایثار کرنے کی اللہ تعالی نے تعریف اور تحسین کی ہے ان کی یہ صفت نہ تھی ان کے لیے مال رکھنے کے بجائے دوسروں کو دینا افضل تھا۔ اور مال رکھنا ان کے لیے افضل ہے جو صبر نہیں کر سکتے اور وہ بھیک مانگنے کے درپے ہو جائیں گے "۔[30]

یوں ہی حافظ ابن کثیر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تنگ دست ضرورت مند کا صدقہ سب سے افضل ہے اور یہ مقام سب سے بلند ہے کیوں کہ ان صحابہ نے اس چیز کو خرچ کیا جس کی ان کو خود سخت ضرورت تھی اور یہی مقام حضرت صدیق اکبر کا ہے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے انہوں نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول کو باقی رکھا ہے "۔[31]

---

[28] Abū ḥātim Muhammad bin ḥabān ṣaḥīḥ ibn ḥabān (Beirūt: mōsasah al-risālah,1407), 5286

[29] Ibn-e-a'rabī Muhammad bin adbullah, aḥkām al-qurān (Beirūt: dar al-kutab al-i'lmiyah,1408), 220/4

[30] Muhammad bin ahmad qurṭabī, al-jame'y al-aḥkām al-qurān, 326/18

[31] Isma'il bin u'mar ibn-e-kathīr, tafṣīr al-qurān al-a'zīm, 372/4

حافظ احمد بن علی عسقلانی کل مال کے خرچ کرنے پر امام طبری کی رائے نقل کرتے ہیں۔

"امام طبری وغیرہ نے کہاہے کہ جس شخص کا بدن تندرست ہو اس کی عقل صحیح ہو۔ اس پر کسی کا قرض نہ ہو اور وہ شخص فقر و فاقہ پر صبر کر سکتا ہو اور اس کے عیال نہ ہوں یا عیال ہوں اور وہ بھی مال نہ ہونے پر صبر کر سکتے ہوں تو جمہور کے نزدیک اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے اور ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے"۔[32]

سورۃ البقرہ آیت 219 میں اللہ تعالی نے اصحاب رسول ﷺ کے ایک سوال کے جواب میں حکم ارشاد فرمایا کہ ضرورت سے زائد خرچ کرو حکم ربانی ہے۔

"وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ. قُلِ الْعَفْو"[33]

"لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں۔ آپ کیسے کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو"۔

یوں ہی حضرت جابر سے ایک روایت منقول ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

"حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (خرچ کرنے میں) سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو۔ پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو"۔[34]

اختلاف افکار کا جائزہ:

کل مال کے خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور سلام کا نزول ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تصدیقی مہر ثبت کر دی۔ یہ عمل نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالی کی رضا کا موجب ہے۔ جہاں تک احسان الٰہی ظہیر کی بیان کردہ روایت کا تعلق ہے۔ اس میں ابو بکر شبلی نے عالم کو جواب دیا کہ تمہارے ہاں زکوۃ اڑھائی فیصد ہے اور ہمارے ہاں ضرورت سے زائد ہے۔ یعنی جو شخص تنگی اور فقر پر صبر نہ کر سکے اس کے لیے کل مال کا صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور جو شخص کل مال کے خرچ کرنے پر صبر کر سکتا ہے اس کے لیے کل مال کا صدقہ کرنا جائز ہے۔ گویا ابو بکر شبلی نے صابرین کے مسلک کو بیان کیا ہے۔ صوفیا کے اسی مسلک عفو (انفاق زائد از ضرورت خرچ) کو امام رازی نے یوں روایت بیان کی ہے۔

"شقیق بن ابراہیم بھٹی بھیس بدل کر عبد اللہ بن مالک کے پاس گئے۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ بلغ سے پوچھا کیا تم شفیق کو جانتے ہو۔ کہاں ہاں، پوچھا۔ ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے۔ کہا جب انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور مل جاتا ہے تو

[32] Ahmad bin A'lī a'sqalanī, fatḥ-ul-bārī (Beirūt: Maṭbūa'h dar al-fikar1419 A.H), 47/4
[33] Al-baqarah: 219/2
[34] Al-sunan nisā'ī, bāb ṣadaqa al-a'bad,2539/4

شکر کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک نے کہا۔ یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے۔ شقیق نے پوچھا۔ پھر کاملین کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔ عبد اللہ بن مبارک نے کہا کاملین وہ ہیں جنہیں کچھ نہ ملے تو شکر ادا کرتے ہیں اور مل جائے تو دوسروں کو دے دیتے ہیں۔"[35]

کل مال کو خرچ کرنا صوفیا کے ہاں کاملین کا طریقہ ہے اور جو کل مال خرچ کر کے صبر نہ کر سکے۔ صوفیا ان کو کل مال کے خرچ کرنے کی تلقین نہیں کرتے۔ کل مال کا خرچ کرنا اگر ترک رہبانیت ہوتا تو حضور کی کل مال خرچ کرنے پر سند رضا عطانہ فرماتے۔

"حضرت ابو ھریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ سب سے عظیم ہے آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں خود مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خطرہ ہو ااور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں اتنی تاخیر نہ کرو حتی کہ تمہاری روح تمہارے حلقوم تک پہنچ جائے"۔[36]

حاجت کے باوجود خرچ کرنے کا حکم دیا گیا اور موت کے آنے سے قبل صدقہ کا حکم دیا گیا۔ یوں ایک اور حدیث مبارکہ میں بھوک، پیاس اور ضرورت لباس کے باوجود ایثار کا حکم دیا گیا۔ امام ابو داود نے حدیث مبارکہ کو یوں نقل کیا ہے۔

"حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان نے ضرورت کے باوجود کسی برہنہ مومن کو کپڑے پہنائے تو اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔ اور جس مسلمان نے اپنی بھوک کے باجود کسی مسلمان کو کھانا کھلا یا اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا۔ اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔"[37]

تجزیہ:

ان احادیث مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے باوجود اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو ترجیح دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اسلام میں دونوں فکر یکساں کار فرماہیں کہ اپنی ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھنا۔ اس کو ہم اپنی ذات سے عدل سے تعبیر کریں گے۔ اور ضرورت کے باوجود خرچ کرنا اسے احسان سے تعبیر کیا جائے گا۔ لہذا دونوں قسم کے افکار کی شریعت میں گنجائش موجود ہے۔

ترک دنیا:

ناقدین کے ہاں صوفیا رہبانیت کا درس دیتے ہیں ان کی دلیل دنیا سے بے رغبتی یعنی ترک دنیا کا درس ہے۔ صوفیا نے دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔ احسان الٰہی ظہیر کے نزدیک صوفیا ترک دنیا کا درس دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "تصوف تاریخ و حقائق میں ابراہیم بن ادھم کے قول الحارث محاسبی کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔

[35] Muhammad bin u'mar razī, tafṣīr kabīr, 199/5

[36] Al-sunan al-nisā'ī, bāb al-ṣadaqah a'n ẓahri ghanī, 2535/4

[37] Al-ṣaḥiḥ lil-bukharī, bāb ai al-ṣadaqah afḍal,1419

"وہ کہتے ہیں (ابراہیم بن ادھم) اگر تو اللہ کا دوست بننا چاہتا ہے اور تو چاہتا ہے کہ اللہ بھی تجھ سے محبت کرے تو دنیا اور اخرت دونوں کو چھوڑ دو اور ان دونوں میں کوئی رغبت نہ رکھ "[38]

فکر احسان الہی ظہیر میں صوفیا ترک دنیا کا درس دیتے ہیں۔ اس کے لیے دلیل انہوں نے پیش کی کہ صوفیا لوگوں کو دنیا سے اعراض کی دعوت دیتے ہیں کہ دنیا میں رغبت نہ رکھو اور دنیا و آخرت کو چھوڑ دو۔ احسان الہی ظہیر کی پیش کردہ دلیل کا تحقیقی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ تحقیق تصور دنیا کی شرعی حیثیت

تحقیق اس بات کی کہ اسلام کے ہاں تصور دنیا کیا ہے۔ یعنی اس دنیا کی حیثیت کیا ہے۔

فکر قرآن اور تصور دنیا:

اسلام نے دنیا اور آخرت کے بارے میں ہر نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد پسندیدہ نقطہ نظر واضح کیا ہے۔ کفار کے زاویہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ان کی ساری توجہ دنیا پر ہے اور وہ فکر آخرت سے محروم ہیں۔ سورۃ الروم میں ارشاد ربانی ہے:

"يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ "[39]

"وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں۔ اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ قرآن کریم نے فکر دی کہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا اور آخرت کو نظر انداز کرنے کا انجام دوزخ ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے "النزاعت" میں ارشاد فرمایا:

"فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا . فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى "[40]

"سو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہے"۔

فکر قرآن کے مطابق مال و دولت کی کثرت ہلاکت کا باعث ہے اور سورۃ تکاثر میں کثرت مال کی حرص کی یوں مذمت کی گئی ہے۔

"الهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِر"[41]

"تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا۔ حتیٰ کہ تم (مرکز) قبروں میں پہنچ گئے"۔

بن عبد مناف اور بنو سہم مال و دولت کی وجہ سے ایک دوسرے سے فخر کرنے لگے۔ ان لوگوں کی مذمت میں آیات مقدسہ نازل ہوئیں۔

سورۃ اعلیٰ میں حکم ربانی ہے:

" بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَ أَبْقَى "[42]

"بل کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے"۔

امام ابن جریر طبری بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کے بارے عبد اللہ بن مسعود کی رائے کو نقل کرتے ہیں کہ

[38] Aḥsān ilahī ẓahīr, taṣawuf tarīkh wa haqā◌ِ'q, 105
[39] Al-rōm: 7/30
[40] Al-nāziyāt: 37-39/79
[41] Al-takathur: 1,2/102
[42] Al-a'lā: 16,17/87

"حضرت ابن مسعودؓ نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے بَلۡ تُؤۡثِرُونَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا۔ تو انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہم نے آخرت کے اوپر دنیا کو ترجیح دے دی ہے پھر انہوں نے کہا ہم نے دنیا کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ہم نے دنیا، دنیا کی خوش نما چیزوں کو، دنیا کی (حسین) عورتوں کو اور دنیا کی کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو دیکھا اور آخرت کی نعمتیں ہم سے غائب تھیں۔ اور ہم نے جلد ملنے والی چیزوں کو تاخیر سے ملنے والی نعمتوں پر ترجیح دی"۔[43]

فکر قرآن میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح حاصل ہے۔ کہ انسان کا زاویہ نگاہ ہر وقت آخرت کی طرف رہے گویا شریعت ہمیں ترک دنیا کا درس نہیں دیتی لیکن غرق دنیا سے بھی منع کرتی ہے۔ چند احادیث دنیا کی حیثیت کے بارے درج کی جاتی ہیں۔

احادیث اور تصور دنیا:

قرآن حکیم کے بعد تاجدار مدینہ کی نگاہ نبوت میں دنیا کی حیثیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

"حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے۔ جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہ ہو اور دنیا کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس میں کوئی عقل نہ ہو۔"[44]

"حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔"[45]

"اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا "[46]

"تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو"۔

یوں ہی ایک روایت زہد کے بارے "مسند البزار" میں منقول ہے۔

"حضرت ابوحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثرید (گوشت) کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کے پاس ڈکار لی تو آپ نے فرمایا اے ابوجحیفہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے تھے۔"[47]

نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب دنیا کی عیش و عشرت اور لذت سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عثمان بن عفان سے منقول ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اپنی سنن ترمندی میں نقل کیا ہے۔

---

[43] Muhammad bi jarīr ṭibrī, Jamey‘ al-bayān, 230/30

[44] Al-sunan abī dawōd, bāb fī faṣal saqī al-mā’, 1682

[45] Sha‘b al-imān al-byhqī, bāb al-fitnah, 10638

[46] Al-aḥkaf46/20

[47] Ahmad u‘mar wa bin abdul khaliq, al-beḥar al-zakhār al-ma‘rōf musnan al-buzār (Beirūt: maṭbūa‘h mōsasah al-qurān, S.N), 3670

"حضرت عثمان بن عفان بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن آدم کا ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے اس کے رہنے کے لیے گھر ہو۔ اتنا کپڑا جو اس کی شرم گاہ چھپانے کے لیے کافی ہو، روٹی اور پانی۔"[48]

اسی فقر کی دعا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی سے کی ہے روایت حضرت ابوامامہ سے مروی ہے مسند احمد میں نقل کی گئی۔

"حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم یا اللہ نے فرمایا اللہ تعالی نے مجھے یہ اختیا دیا کہ میرے لیے مکہ کی وادی سونے کی بنادے۔ میں نے کہا نہیں۔ اے میرے رب میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رھوں گا۔ پھر جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاوں گا تو میں تیرا شکر کروں گا۔ اور تیری حمد کروں گا۔"[49]

نبی کریم ﷺ نے دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام کو حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ ابو ھریرہ سے روایت اسن للترمندی میں نقل کی گئی ہے۔

"حضرت ابو ھریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم کسی شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام دیکھو تو اس کا قرب حاصل کرو۔ کیوں کہ اس کو حکمت عطا کی گئی ہے"۔[50]

اعراض دنیا سے متعلق ایک حدیث حضرت عثمان بن عفان سے روایت کی گئی ہے اس کو امام ترندی نے السنن الترمذی میں نقل کیا ہے۔

"حضرت عثمان بن عفان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا صرف ان چیزوں میں حق ہے کہ رہائش کا گھر ہو۔ وہ کپڑا جس سے اس کی شرم گاہ چھپ جائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔"[51]

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں خلوت نشینی کو دین کی حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ صرف دنیا اور قلت کلام کو حکمت سے تعبیر کیا گیا اور قلت طعام کی ابن آدم کو تلقین کی گئی۔

کثرت نعمتیں اکثر حصول شہوتوں کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جب انسان کو اپنی لذتوں کے حصول اور شہوتوں کے اسباب میسر ہوتے ہیں تو وہ اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے اور ان لذتوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالی کی عبادت کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور جب انسان کے پاس عیش وعشرت کے سامان نہ ہو۔ اللہ تعالی کی یاد سے غافل اور معصیت پر ابھارنے والی چیزیں نہ ہوں۔ تو اللہ تعالی کی عبادت کرنا اس کے لیے سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

---

[48] Al-sunan lil-tirmazī, bāb mā jā' fī al-zihād fī al-dunyā, 2341

[49] Al-sunan lil-tirmazī, bāb mā jā' fī al-kifāf wa al-ṣabr a'laih, 2347

[50] Al-sunan lil-tirmazī, bāb mā jā' fī qilātah al-qalām, 2319

[51] Al-sunan lil-tirmazī, bāb mā jā' fī al-zihadah fī al-dunyā, 2341

انسان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے جتنا زیادہ بہرہ انداز ہو گا وہ اس قدر زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہو گا اور موت کے وقت جب ان چیزوں سے اس کی جدائی ہو گی تو اس کو اتنا زیادہ قلق ہو گا اور دنیاوی عیش و عشرت سے اس کا جس قدر کم تعلق ہو گا موت کے وقت ان چیزوں کی جدائی سے اسی قدر کم قلق ہو گا۔

اعراض دنیا سوال کے باعث:

صوفیا نے جو دنیا کی زندگی سے اعراض برتا تو اس کا مقصد صرف اور صرف قیامت والے دن اللہ تعالی کے سوال کا خوف تھا۔ کہ قیامت والے دن نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل اور التکاثر کے احکامات حسب ذیل بیان کیے گئے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالی نے فرمایا قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل کے بارے سوال ہو گا۔

" إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولً"[52]

" بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

اللہ تعالی نے سورۃ التکاثر میں فرمایا۔ تم سے نعمتوں کے باعث قیامت والے دن سوال ہو گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

" ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيم "[53]

" پھر قیامت والے دن تم سے نعمتوں کے بارے ضرور سوال ہو گا"۔

اس آیت مقدسہ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان کی۔ امام ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے۔

"حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ ثم لتسکن یو میذ عن النعیم۔ تو لوگوں نے کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس نعمت کے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا۔ یہ تو صرف کھجور اور پانی ہے اور دشمن موجود ہے اور تلوار میں ہمارے کندھوں پر ہیں آپ نے فرمایا بے شک یہ سوال کیا جائے گا۔"[54]

آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ کے تحقیقی مطالعہ سے عیاں ہوا کہ اللہ تعالی نے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے سے منع فرمایا ہے اور اگر قیامت پیش نظر ہو تو انسان قیامت کے دن سوال سے خوف کھاتے ہوئے دنیا کی زندگی سے اعراض کرتا ہے۔

تجزیہ:

یوں قرآن وسنت نے انسان کی زندگی کو موثر اور آسان بنانے کے لیے زندگی گزارنے کے اصول وضوابط کو طے کرتے ہوئے مزاج انسانی کے لیے کئی طریق کو جائز قرار دیا ہے تا کہ انسان جبری زندگی بسر نہ کرے بل کہ اپنے طبعی مزاج کے مطابق زندگی گزارے۔ البتہ حلال و حرام کو واضح انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ان حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے وہ جو بھی طریقہ حیات مرتب

[52] Banī Israel: 36/17
[53] Al-takathur: 102/8
[54] Al-sunan lil-tirmazī, bāb wa min sōrah al-takathur, 3357

کرے گا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہو گا۔ غناء اور فقر دونوں اسلام کے پیش کردہ طریق حیات ہیں۔ اگر کوئی انسان اپنی ضروریات اور خواہشات کا انداز زندگی اختیار کرنا چاہے تو اس کے لیے بھی طریقہ حیات موجود ہے اور یوں ہی حیات نبوی میں ایک سال کا راشن اپنی ازواج کو جمع کر کے دینا بھی آپ کی سنت مبارکہ ہے اور یوں ہی اگر کوئی انسان صرف ضروریات کو پورا کرے اور مال و دولت کو جمع نہ کرے تو اسلام اس پر بھی گرفت نہیں کرتا۔ اس کے لیے بھی رخصت موجود ہے۔ تمام مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے اس شرط پر کہ وہ صبر میں پختہ ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے ضرورت کے باوجود کل مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا جو اللہ کی رضا کا سبب بنا۔